محمد خاں اشرف ایم اے

لباس کا مسئلہ

اور

ٹیڈی ازم

معہ مقدمہ

ڈاکٹر سید عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی لٹ
پرنسپل یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور

میری لائبریری لاہور ۵

مقدمہ

ڈاکٹر سیّد عبداللہ ایم۔اے۔ڈی۔لٹ
پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج و صدر شعبۂ اُردو و عربی

لباس کا رُوپ بہرُوپ

لباس کی وضع قطع اور ہیئت میں تبدیلیاں اور تغیّرات اتنے ہی فطری ہیں جتنا انسانی زندگی کا کوئی اور مظہر۔ اس لیے لباس اور فیشن کی ان تبدیلیوں اور تغیّرات کے بارے میں خواہ مخواہ ہنگامہ آرائی مناسب نہیں۔ لیکن یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ لباس کی اس آزادی کے حق کو ایسی بے عناں عریانی اور غیر معتدل شہوانی رجحانات کے اظہار کا ذریعہ نہ بنایا جائے جو غیر متوازن نفسیاتی رویّے سے پیدا ہوتے ہیں۔

لباس کے مسئلے نے حال ہی میں ملک کے پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں میں خاصی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ ان میں سے اس طبقے نے جو لباس اور کپڑوں کے انتخاب کے بارے میں ذرا مختلف نقطۂ نظر رکھتا ہے دوسرے طبقے کے لباس اور فیشن کو

شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے تنگ کپڑوں اور چست پتلونوں (TIGHT) کو خاص طور پر ہدفِ ملامت بنایا گیا ہے اور لباس کی اس تنگی اور چستی کو اخلاق کی پستی اور ڈھیلے پن یعنی کمزوری کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے۔

مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں نفسیات یا عمرانیات (SOCIOLOGY) کا طالب علم نہیں ہوں نہ ہی لباس کا نفسیاتی مطالعہ میرا خاص موضوع ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ میں صورتِ حالات پر ایک عام آدمی یا تماشائی کی حیثیت سے گفتگو کروں گا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس معاملے میں مجھے کچھ بھی کہنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ دوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی اپنے گرد و پیش ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے بارے میں کسی نہ کسی ردِ عمل کا اظہار کرنا چاہیے۔

تنگ پوشی

مجھے آغاز ہی میں اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہیے کہ تنگ پوشی کے بارے میں موجودہ بحث جو اخبارات و رسائل میں جاری رہی۔ اور جاری ہے، زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوئی کیونکہ تقریباً تمام موقعوں پر اس کا انداز "جذباتی" تھا۔ جذباتی اس لیے کہ یہ زیادہ تر لباس کی وضع قطع میں "نئے پن" اور "جدت" کے خلاف رہی اور اس عام حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ تبدیلی اور جدت زندگی کی بنیادی شرائط ہیں اور اس صورت میں "تبدیلی" کے تصور پر کوئی اعتراض زندگی کے فطری عمل پر اعتراض کے مترادف ہے۔ یہ زندگی کی نفی کرنا ہے اور اس کا انجام تباہی اور فنا کے سوا کچھ نہیں۔

جہاں تک میں تاریخ سے واقف ہوں "تنگ پوشی"، مسلمان معاشرے

میں کبھی بھی ایک ممنوعہ اور ناپسندیدہ فیشن نہیں رہی۔ مسلمانوں کی تمدنی تاریخ میں بعض دور ایسے بھی ہیں جب تنگ پوشی ہندوستان اور ایران دونوں ممالک میں ایک پسندیدہ اور مقبول عام فیشن تھا۔ وضع قطع اور خطوط میں جدتیں اور فیشن میں تبدیلیاں استثنا کے بجائے قاعدہ بنی رہی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان معاشرہ نہ تو کبھی علم و فن کے میدان میں وہ مقام حاصل کر سکتا جو اس نے حاصل کیا ہے اور نہ ہی ان میں تفصیل کی غیر معمولی تازگی اور تصور کی بے مثال ندرت کا اظہار کر سکتا۔ آپ کی دلچسپی کے لیے میں ذیل میں میر تقی میر کے کچھ اشعار درج کرتا ہوں جو اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ تنگ پوشی اس دور کا ایک پسندیدہ اور مقبولِ عام فیشن تھا۔ شعر یہ ہیں ؎

وے کپڑے تو بدلے ہوئے میرؔ اس کو کئی دن
تن پر ہے شکن تنگیٔ پوشاک سے اب تک
اس کے سونے سے بدن سے کس قدر چسپاں ہے ہائے
جامہ کبریتی کسو کا جی جلاتا ہے بہت!
تنگ چولی نے تو مارا تنگ ورزی سے ہمیں
خاک بھی برباد کی دامن درازی خوب کی
چلے ہیں مونڈھے، پھٹی ہے کہنی، چسپی ہے چولی، پھنسا ہے مری
قیامت اس کی ہے تنگ پوشی، ہمارا جی تو بہ تنگ آیا!

یہ اشعار تنگ پوشی یعنی لباس کے معاملے میں عام آزادی کی شہادت دیتے ہیں لیکن اس آزادی کے ساتھ ایک شرط اور پابندی بھی تھی۔ اسلامی فیشن کی رو

نے لباس کے افادی (حفاظتی (Protective) جمالیاتی (Aesthetic
اور جماعتی (Associational) پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ہمیشہ دو
بڑے اصولوں سے راہ نمائی حاصل کی ہے اور یہ اصول تھے۔ ۱۔ وقار (Dig-
nity) ۔۲۔ حیا (Modesty)۔ جماعتی یعنی (As-
sociational) یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ لباس ایک قوم یا
گروہ کو دوسری اقوام اور گروہوں سے متمیز کرتا ہے اور یہ امتیاز آب و ہوا یا
جغرافیائی اختلاف کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک منفرد معاشرتی نفسیات (Social
Psychology) کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جس کو اُن کا مخصوص مذہب، نقطۂ نظر
یا تصورِ حیات جنم دیتا ہے۔

مسلمانوں کا رویّہ

جہاں تک لباس کا تعلق ہے مسلمان تین قدروں کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔
(۱) انسان کی شخصیت کا وقار۔
(۲) حیا۔ یعنی کردار اور اطوار میں پابندی۔
(۳) جماعتی امتیاز۔ Associational Distinction

جہاں تک لباس کی خارجی وضع قطع اور ہیئت کا تعلق ہے مسلمان اس پر غیر جانبدار رہے ہیں اسی سے لباس کی وضع قطع میں رنگا رنگی اور وحدت کی کمی کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود لباس کے معاملے میں کچھ پابندیاں اور امتناعات رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کو یہ امتناعات سخت گیری اور ظالمانہ محسوس ہوں گے لیکن ان کا ایک جواز موجود ہے۔ دنیا کی ہر قوم۔ حتّٰی کہ فیشن ایبل فرانسیسی بھی جو

رسمی سے زیادہ تخلیقی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اپنی مخصوص پابندیاں اور امتناعات رکھتی ہے۔ میں نے خود انگریز اور فرانسیسی مردوں اور عورتوں کو اپنی سوسائٹی میں فیشن اور وضع داری کے مقررہ معیاری اطوار اور اصولوں کو باقاعدگی سے برتتے دیکھا ہے۔ صرف یہ حقیقت کہ یورپی اپنی جدت طرازیوں میں بھی اپنی قومی وضع داریوں کے بنیادی خطوط پر گامزن رہتے ہیں اور دوسروں سے کسی تفصیل کا مستعار لینا اور تقلید کرنا باعثِ شرم سمجھتے ہیں زندگی میں قدامت پسندی اور روایت پرستی کی حدود کو واضح کر دیتی ہے اس لیے اگر مسلمان سوسائٹی ماضی میں لباس پر کچھ پابندیاں لگاتی رہی ہے یا حال میں کچھ پابندیاں لگانے کی خواہشمند ہے تو اس کے خلاف احتجاج کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

لیکن اس کے باوجود مسلمان تمدن لباس کے معاملے میں بہت آزاد خیال رہا ہے اور اگر کہیں سختی برتی گئی ہے تو وہ محض "وقار"، "حیا" اور جماعتی امتیاز ASSOCIATIONAL DISTINCTION کی بنیادی قدروں کو مستحکم رکھنے امتیاز کرنے اور مذہبی فرائض کی ادائیگی میں سہولت کے پیشِ نظر برتی گئی ہے۔

یہ طویل تاریخی پسِ منظر ہمارے مقصد کے پیشِ نظر لباس کے انتخاب میں پابندی اور آزادی کی حدود کو ظاہر کرنے کے لیے ضروری تھا۔ جہاں تک میں صورتِ حالات کو سمجھ سکا ہوں ملبوسات کی تنگی اور چستی کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرنا محض اس لیے کہ وہ تنگ اور چست ہیں۔ یا اس کے الٹ ڈھیلے لباس پر طنز و تشنیع کرنا محض اس لیے کہ وہ ڈھیلے ہیں بے عقلی، بچگانہ پن اور ناسمجھی کی دلیل ہے۔

جسمانی ساخت

ذاتی طور پر میرا یہ خیال ہے کہ لباس کو کسی شخص کی مخصوص جسمانی ساخت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اور اس صورت میں لباس کی مختلف صورتوں اور ہیئتوں میں سے کسی پر بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا بشرطیکہ وہ اُن اخلاقی اور جمالیاتی تقاضوں کو پورا کریں جو ملبوساتی فیشنوں میں ترجیح کا شاید واحد معیار ہیں۔

مثال کے طور پر۔ مجھ جیسے دبلے پتلے آدمی کو ایسا لباس پہننا چاہیے جو اُس کو ذرا زیادہ "سمارٹ" ظاہر کرے اور اسی طرح کسی موٹے آدمی کے لیے نہایت مناسب ہوگا کہ وہ ذرا ڈھیلا لباس پہنے جو اُس کے جسم کی خامیوں کو چھپا لے۔

پس ابتدا میں یہ ایک جمالیاتی اور جسمانی مسئلہ ہے اور اس کو جمالیاتی اور جسمانی تقاضوں کی روشنی میں ہی حل کرنا چاہیے۔ لباس کے "چست" یا "ڈھیلے پن" پر کیے گئے اعتراضات کے پیشِ نظر اس پر بحث مناسب نہیں۔

اب ایک لحاظ سے میں نے اس مسئلے پر اپنی گفتگو ختم کر دی ہے اور بحث و تکرار کو دور کرنے کے لیے چند تجاویز بھی پیش کر دی ہیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کہانی کا ایک حصہ جو درحقیقت نہایت اہم حصّہ ہے ابھی بیان طلب ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "چست" لباس کے مخالفین لباس کی ایک مخصوص وضع پر کچھ "معاشی روابط" کی بنیاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور کچھ دوسرے مخالفین اخلاقی بنیادوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ ان اعتراضات کا غیر جانبدارانہ انداز میں جائزہ لینا ضروری ہے۔

عموماً اس بات کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی "تنگ پوشی" اور "چست لباسی"، چند ایسے باغی قسم کے معاشرتی گروہوں سے تحریک لے رہی ہے جو جرائم میں لذت لیتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ موجودہ معاشرتی نظام کی شکست کے درپے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ گروہ ایسے لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل ہیں جن کی "بہیمانہ" آزادی پولیس، قانون اور نظم و ضبط کے ذمہ دار حکام کے لیے پہلے ہی وجہ اضطراب بن گئی ہے۔

تشویش کا سبب

اگر یہ بات درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس کے بجائے طور طریقے اور کردار زیر بحث ہیں۔ صرف ملبوساتی وضع قطع ہی پر اعتراض نہیں کیا جاتا بلکہ یہ جماعتی رجحان اور گروہ کی نفسیاتی تشکیل ہے جو تشویش کا اصل سبب ہے۔

اس لیے میں کچھ عرصہ کے لیے لباس کی ظاہری وضع قطع کے مسئلے کو پسِ پشت ڈال کر مسئلے کی نفسیاتی بنیاد کی طرف توجہ کرتا ہوں اور اس میں میری خاص توجہ کا مرکز ہمارے نوجوانوں کی دیا اسی مقصد کے لیے اُن کے محرک مغربی ٹیڈیوں کی، نفسیاتی تشکیل ہوگی۔

مغرب میں تبدیلی

یہ بات ہر شخص کے علم میں ہے کہ مغرب میں "تبدیلی اور تغیر" کا تصور بے عناں "آزادی" کے تصور کے ساتھ قدم بہ قدم ترقی کرتا رہا۔ سائنسی علوم کی ترقی "آزادی" اور "تغیر" کے نظریات میں گہرے اعتقاد کا سبب بنی۔ اگرچہ کلیسا نے کچھ حد تک

ردِ عمل کا اظہار بھی کیا۔ ان رجحانات نے لباس کی وضع قطع کو بھی متاثر کیا اور یورپ میں (اور امریکہ میں بھی) لوگوں نے ان خیالات کے زیرِ اثر لباس کی ہیئت اور وضع قطع کے مسئلے کو اخلاقی تصورات اور تقاضوں سے آزاد کر لیا۔ انہوں نے ایسے فیشن اختیار کیے جو اُن کے جنسی اور شہوانی رجحانات کو مطمئن کرتے یا آرام پرستی اور سہولت کی جبلت کو تسکین دیتے تھے۔

مختصراً ان تمام اسباب نے ملبوساتی قوانین کے متعلق ایک مخصوص نقطۂ نظر کو جنم دیا۔ اس مسئلے پر شدید بحث کی گئی ہے کہ لباس صرف سہولت اور آرام کا ذریعہ ہے اور اس کو اخلاقی اور معاشرتی قدروں سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی کے پیشِ نظر اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسان اُس دور سے گزر چکا ہے جب لباس حفاظتی یا افادی اور آرائشی مقاصد کو پورا کرتا تھا۔ اب سائنس نے انسانی جسم کے تقاضوں کے مطابق درجۂ حرارت کو قابو میں کرنے اور ایئر کنڈیشننگ (AIR CONDITIONING) کے طریقے دریافت کر لیے ہیں۔ پس اندیشہ ہے کہ جسمِ انسانی کو ڈھانپنا جلد ہی بے کار ہو جائے گا۔

آرائشی عنصر

جہاں تک لباس کے آرائشی عنصر کا تعلق ہے کہا گیا ہے کہ یہ محرک انسانی تہذیب کے اُس ابتدائی دور سے تعلق رکھتا ہے جب مردوں اور عورتوں کے درمیان صنفِ مقابل کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا ایک مقابلہ سا ہوتا ہے لیکن اب ان مصنوعی طریقوں کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

اس قسم کے نظریات کے زیرِ اثر مغربی لوگوں کے لیے "حیا" کا تصور ایک

بے ہودگی قرار پایا اور عریانی یا عریاں تمدن ایک ایسی منزل قرار پایا جس کی طرف ماہرینِ نفسیات کے خیال میں ہم سب کو بالآخر سفر کرنا ہوگا۔

جے۔ سی۔ فلوگل (J. C. Flugal) اپنی کتاب (The Psychology of Dress) میں لکھتا ہے

"we must face the conclusion that our principle points & ultimately not to clothing but nakedness" [1]

ایچ۔ جی۔ ویلز نے ایک ایسے معاشرے کا تصور پیش کیا تھا جس میں انسان خداؤں کی طرح بالکل برہنہ ہوں گے۔ پروفیسر نائٹ ڈنلپ Knight Dunlop اپنی کتاب The development and function of clothing" میں لکھتے ہیں۔

"Nakedness at first will be a uni-sexual affair but with in a few year women will expose their whole body in public and will cause no commotion by so doing" [2]

---

[1] ترجمہ:- "ہمیں اس نتیجے کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہمارا اصول انجام کار پوشش کی طرف نہیں برہنگی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔" (اشرف)

[2] ترجمہ:- "برہنگی اوّل اوّل یک صنفی معاملہ ہوگا لیکن چند سالوں کے اندر اندر عورتیں پبلک میں اپنے تمام جسم کو برہنہ کر دیں گی اور اس طرح کرنے سے کوئی ہلچل پیدا نہیں کریں گی۔" (اشرف)

مجھے ان اقتباسات کے پیش کرنے پر معذور سمجھا جائے کیونکہ میں بحث کے اہم نقاط کو نظر انداز نہیں کر سکتا میں فلوگل کی کتاب سے مزید اقتباس پیش کرنے پر مجبور ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

"Encouraged thus we may we greater equanimity contemplate the possibility that dress is, after all, destined to be but an episode in the history of humanity and that man (and perhaps before him woman) will one day go about his business, secure in the control both of his own body, and of his wider — physical environments, disdaining the sartorial crutches on which he previously supported himself during the earlier tattering stages of his march to wards a higher culture." [1]

لباسیات کے اس مشہور ماہر نفسیات کی کتاب سے یہ طویل اقتباس پیش کرنے پر میں پھر معذرت چاہتا ہوں لیکن میں واضح طور پر اُس منزل کی

---

[1] انگریزی کا ترجمہ اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

نشان دہی کر دینا چاہتا تھا جس کی طرف مغربی ذہن جا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ صرف لباس ہی میں اس سمت محوِ سفر نہیں ہے بلکہ یہ مجموعی طور پر نمادُ قدیم کی طرف پلٹ رہا ہے۔ جس میں — اگر ہم مغربی ماہرین نفسیات کے نظریات پر یقین کر لیں۔ عریانی، کجروی، جنسی ابتلاء و ہیجان، گفتار اور کردار میں متکبرانہ انداز، اور برہنگی زندگی کے بنیادی عوامل ہوں گے۔

میرے ہم وطنو! انسانیت کے افق پر ظلمتوں کے بادل امنڈ رہے ہیں اور آثار خوفناک ہیں۔ مہذب انسان اب ایٹمی ہتھیاروں سے بھی مسلح ہو چکا ہے۔ اس طرح کی مسخ اور گمراہ کُن نفسیات اور اس طرح کے تباہ کُن اور زہریلے ہتھیاروں کے ساتھ یہ ظاہر ہے کہ مغرب کا یہ اعلےٰ تمدن انسانیت کو یقیناً تباہی اور بربادی سے ہم کنار کر دے گا۔

اس قسم کا فلسفہ تمام لوگوں اور خاص کر نوجوانوں کے ذہنوں میں شدید

---

[1] ترجمہ:- اس تائید کے ساتھ ہم اس امکان پر زیادہ اطمینان کے ساتھ غور کر سکتے ہیں کہ لباس کا مقدر یہ ہے کہ وہ انسانیت کی تاریخ میں صرف ایک ضمنی واقعہ کی حیثیت سے رہ جائے گا۔ اور مرد (اور شاید اُس سے پہلے عورت) اپنے روز مرہ کے کام کاج پر اس طرح جائے گا کہ اُس کو اپنے جسم اور اپنے وسیع طبعی ماحول دونوں پر پورا کنٹرول ہو گا۔ اور وہ لباس کے اُن سہاروں سے نفرت کرے گا جن پر وہ اعلےٰ تمدن کی طرف سفر سے پہلے اپنی ابتدائی (فرسودہ) منزلوں میں تکیہ کیا کرتا تھا۔ (اشرف)

تشنج کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ زندگی کی ایسی صورتوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو اُن کے نزدیک اُن کو اس اذیت سے نجات دے سکتی ہیں اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ٹیڈی ازم، عریانیت، ذہنی و جذباتی انتشار۔ شاید اسی وجہ سے جب نیٹشے (Neitche) نے یہ اعلان کیا تھا "خدا مر چکا ہے"، تو ساتھ ہی اُس نے یہ بھی کہہ دیا تھا "مغربی تہذیب کا "روزِ محشر" قریب آ رہا ہے"

یہ تو یورپی منظر کا بیان تھا لیکن مقامی صورتِ حالات بھی بہتر نہیں ہے کیونکہ مقامی مقلد باغی ہونے کے ساتھ ساتھ احمق بھی ہیں۔ جی ہاں! احمق!! کیونکہ ان میں قوتِ تخلیق کا فقدان ہے۔ یہ محض نقال ہیں۔ میرے خیال میں ٹیڈی ازم صرف لباس کی وضع اور ہیئتِ ظاہری کا مسئلہ ہی نہیں ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو علم الامراض[1] یا دزیادہ نرم الفاظ میں، نفسیاتِ[2] جذبات و خیالات سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ جماعتی روابط (ASSOCIATIONAL CONNECTION) کی بنا پر یہ لباس کے ساتھ بھی متعلق ہے۔

ٹیڈی ازم

یہاں پر اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اگر ٹیڈی ازم کو

---

[1] Pathology

[2] Pathognomy

لباس کے آداب و قوانین کے پیشِ نظر نشانۂ ملامت بنانا ضروری ہے تو ملک کے دوسرے غیر ٹیڈی الٹرا موڈرن طبقے کو بھی اپنی عریانیت اور نمائش پسندی کے پیشِ نظر موردِ الزام ٹھہرانا چاہیے۔ یہ بھی ملک میں جنسی انتشار پھیلانے کا موجب ہیں۔ پاکستان کے نقطۂ نظر سے یہ معاملہ نہایت اہم ہے۔ پاکستان ایک خاص تصوّرِ حیات سے وابستہ ہے اور اس کا ایک مخصوص "نظامِ حیات" ہے۔ اس بات کا محاکمہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ ہماری عورتوں کا جدید تا ٹیلونی تمدّن کس حد تک لباسیاتی وضع قطع کی نفاست کے اُس تصوّر سے ہم آہنگ ہے جس کو ہمارا "نظریہ" درست سمجھتا ہے ہمارا "نظریہ"، یا تصوّرِ حیات کسی قسم کی بھی عریانی یا جسمانی نمائش کی اجازت نہیں دیتا ہے لیکن یہی وہ منزلیں ہیں جن کی طرف مغربی تمدّن محوِ سفر ہے اور اس کی تقلید میں ہمارے الٹرا موڈرن طبقے بھی یہی رُخ اختیار کر چکے ہیں۔

پس یہ سوال چست یا ڈھیلے لباس کا نہیں ہے یہ افعال و اعمال کی عمدگی کا سوال ہے لباس کی کسی وضع اور ہیئت پر اعتراض کرنے سے پہلے قوم کی روحانی اور ذہنی صحت کے سوال کا اٹھانا نہایت ضروری ہے۔

روحانی طور پر صحت مند لوگ خود اپنے لباس کی وضع قطع کو متعین کریں گے اور اس میں وہ "سمارٹ نس"، کے ساتھ ہی ساتھ "پُر وقار خارجی صورت"، کو بھی پیشِ نظر رکھیں گے۔ اور اس میں انسان کی فطری اور جبلتی اچھائی اور نیکی کے معیار اُن کی راہ نمائی کریں گے۔

"یورپی لباس"

اس لحاظ سے ایک آفاقی تمدن کی گفتگو بالکل غیر متعلق ہے۔ اس کا سہارا تو اُس موقعہ پر لیا جاتا ہے جب اپنے فلسفۂ حیات پر سے ایمان اٹھ جاتا ہے۔ البتہ اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ ہمارا فلسفۂ حیات یورپی لباس کی ممانعت نہیں کرتا بشرطیکہ یہ ہمارے اپنے "وقار"، "حیا" اور "نفاست" کے نظریات سے متصادم نہ ہو۔

اب مجھے دوبارہ اصل موضوع کی طرف لوٹنا چاہیے۔ لباس کی وضع قطع اور فیشن میں تبدیلیاں اور تغیر بالکل فطری ہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ان تبدیلیوں اور تغیرات کو اپنے تصورات و اعتقادات کی حدود میں رکھا جائے۔ ہم اپنے وقار اور انفرادیت کو اسی طرح برقرار رکھ سکتے ہیں۔

بادی النظر میں لباس کی چستی کو کردار کی مضبوطی اور راستی کا مظہر ہونا چاہیے۔ اور ڈھیلے ڈھالے لباس کو اس کے پہننے والے کی لاپرواہ اور بے تکلف فطرت کی عکاسی کرنی چاہیے لیکن یہ کلیہ تمام صورتوں میں درست نہیں ہے۔ اصل چیز "شخصیت" ہے نہ کہ "لباس"۔ اگر ہم اُن گہرے اثرات کو نظر انداز کر دیں جو ظاہری سطح کے نیچے کارفرما ہیں تو پاکستان میں "لباسیات" کی (خاص کر ملبوسات میں جدید وضع قطع کی) گفتگو نامکمل رہ جائے گی میں اپنے ملک کی عورتوں (اور مردوں) کی "عریانیت پسندی" کے رجحانات کی طرف اشارہ کر چکا ہوں لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے۔

"عریانیت"

مجھے یقین ہے کہ "عریانیت" اور "نمائش" کی طرف موجودہ رجحان بڑی حد تک اس طویل "پابندی" یا (زیادہ واضح طور پر) بنیادی انسانی حقوق کے فطری استعمال کی ممانعت کے خلاف ایک ردِ عمل ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کچھ قوموں۔ (مثال کے طور پر ترک اور مغل)۔ نے جو راشدین کے عہد کے کافی عرصہ بعد اسلام لائیں قرآنی ضوابط اور اصولوں کی اُن شقوں سے جو مردوں اور عورتوں کے انفرادی اور معاشرتی رویے سے متعلق کچھ سادہ شرائط اور احکام پر مشتمل تھیں ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی عورتوں پر کچھ ایسی پابندیاں عائد کیں جو قرآنی احکام سے کہیں زیادہ سخت اور شدید تھیں اور اُن کا مقصد محض یہ تھا کہ دوسری اقوام کی عورتوں پر اپنی قوم کی عورتوں کی نسلی برتری قائم ہو جائے۔ یہ محض ایک قیاس نہیں ہے تاریخ سے اس کی تائید میں ثبوت اور مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں ان پابندیوں نے رفتہ رفتہ "امتناع" کی شکل اختیار کر لی اور بعد ازاں ایک عجیب قسم کی گمراہی اور "کج روی" ہمارے مزاج اور نقطۂ نظر کا مستقل جزو بن گئی۔

ایسے لباس جو حقیقی پردہ۔ یعنی حیا کو ملحوظ رکھنا۔ کے تصور پر پورے اترتے ہیں سینکڑوں قسم کے ہو سکتے ہیں لیکن عورتوں کی نقل و حرکت کی ممانعت اور سانس تک لینے پر پابندی اگر کجروی اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ یہ تو ایک انتہا درجے کی بداخلاقی ہے۔ یا انتہا پسندی

اور سخت گیری ایک بڑی حد تک ہمارے معاشرے میں عریانیت اور نمائش پسندی کی طرف ردِ عمل کا ذریعہ بنی۔ اگرچہ اس رجحان میں نقالی اور تقلید نے بھی کافی حصہ ادا کیا ہے۔

ہر دور کے پاک اور نیک لوگوں نے ہمیشہ اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ زندگی اخلاق کے بغیر محض بدمعاشی ہے۔ لباس کا بھی اپنا ایک "ضابطۂ اخلاق" ہوتا ہے۔ بہترین لباس وہ ہے جو اخلاقی طور پر "اچھا" ہو۔ اور "اچھا" لباس وہ ہے جو انسان کو برائی اور بدی سے بچائے یہ بدی ہر قسم کی ہے۔ مادی، معاشی، اخلاقی، معاشرتی، روحانی۔ بنیادی طور پر بہترین لباس وہ ہوگا جو انسانی جسم کو مستحسن طور پر "آب و ہوا" اور "ماحول" کے اثرات سے بچائے۔ لیکن معاشرتی طور پر بہترین لباس وہ ہے جو "حیا" اور "مناسبت" کے تقاضوں کو پُر اثر طریقے سے پورا کرے۔ مناسبت کا مطلب ہے کسی شخص کے لباس کا اُس کے روزمرّہ کام یا فرائض کے مناسب اور مفید ہونا۔ اور حیا کا مطلب ہے کسی فرد کا ایسا "پابند رویہ" جو معاشرے کی انفرادی اور معاشرتی بھلائی کے لیے جنسی اور جمالیاتی مواقع پر توازن برقرار رکھنے میں ممد اور معاون ہو۔ اور یہ بھلائی اور بہتری نمائش اور عریانیت سے زیادہ "رکاوٹ" اور "پابندی" میں ہے۔

لباس کا مقصد

پس لباس کا مقصد انسانی فطرت کی حقیقت اور شخصیت کے وقار کے قوانین کے مطابق۔ جن سے پابندی مقصود ہو۔ مکمل ترین اطمینان حاصل

کرنا ہے۔ مسرت اندوزی (HEDONISM) پر مبنی نظریات یا فرائڈ کی نفسیات زیادہ عرصہ ہماری راہ نمائی نہیں کر سکیں گے۔ "وقار" کے اصول کو انسانی شخصیت کی ظاہری خوبصورتی اور باطنی توازن کی روشنی میں اپنانا پڑیگا۔

میرا خیال ہے کہ اب مجھے ایسے غیر متوازن اور گمراہ مردوں اور عورتوں کے رویّہ پر زیادہ گفتگو نہیں کرنی چاہیے جو نہایت چست لباس محض اس لیے پہنتے ہیں کہ جنسِ مخالف کو رجھانے کے لیے اپنی جسمانی ساخت اور نقوش کو نمایاں کریں۔ یا "نرگسیت" کے شکار ایسے افراد جو اپنے جسم کو عریاں کرکے اپنی "انتہائی باطنی طمانیت" کے ساتھ اُس خوشی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اُن کی اپنی "ذات" سے شدید محبت میں مضمر ہوتی ہے اور جو دوسروں کے ساتھ تعلق سے مجروح ہوتی ہے۔

یہ امر باعثِ تعجب ہے کہ یہ دونوں قسمیں اکثر کافی قوتِ تخلیق اور طاقتِ ایجاد رکھتی ہیں۔ اور یہی ایسے فیشنوں کے رواج کی ذمہ دار ہیں جو عدمِ توازن کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی یا تو نہایت تنگ اور چُست ہوتے ہیں یا اُن کا رجحان عریانی، بانکاپن، نمائش پسندی اور ظاہرداری کی طرف ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایجاد کرتے ہیں اور دوسرے ان کے اثرات کو قبول کرتے ہیں۔

لباس کے متعلق متوازن نقطۂ نظر وہ ہے جو قرآن کریم کی چند آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ "لباس" کے لفظ کو قرآن پاک میں کئی مقامات پر نہایت پُرمعنی انداز میں استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں آتا ہے۔ "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"

ترجمہ :- تمہاری عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔

جہاں لباس کا لفظ بیک وقت حفاظت، زیبائش، پناہ۔ اور رفیقِ لازم (جیسے لباس جسم کے لیے ہے) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک دوسرے موقعہ پر "لباس التقویٰ" کی ترکیب استعمال کی گئی ہے جس کے معنی ہیں تقدس نیکی اور وقار کی علامت۔ پھر ایک آیت ہے "ولا تلبسوا الحق بالباطل۔" جس کے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ یا اس طرح جھوٹی ظاہرداری نہ کرو کہ جھوٹ اور سچ خلط ملط ہو جائیں۔

اس سب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لباس اچھا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی لیکن قرآن کے مطابق لباس کا اصول یہ ہے کہ وہ حفاظت، زیبائش اور وقار کے لیے ہے نہ کہ دھوکے اور فریب کے لیے۔

اچھا لباس وہ ہے جو ایک فرد کے جسم یا شخصیت کو وقار اور زیبائش بخشے اور اپنے بنیادی مقاصد بھی پورے کرے۔ بُرا لباس وہ ہے جو آپ کو عریاں کرے یا جو غیر فطری مقاصد کو پورا کرے۔

پاکستان میں جدید نائیلونی تمدن (بمعہ چست لباس پہننے والوں کے ٹیڈی ازم کے) ایک نہایت اہم مسئلہ ہے اور ملک کے اہلِ فکر طبقے کو اسے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح لوگوں کے ایسے فضول لباس جو اضلال، ذہنی شکستی، اعصابی پریشانی، احساسِ تناسب کی کمی اور (کبھی کبھی) بدتہذیبی اور بے ہودگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

ہماری سوسائٹی میں تعفن۔ فرسودگی اور پس ماندگی کے مظہر ہیں، کبھی کبھی تو ہمارے ذمہ دار افراد کے بارے میں بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ بھی نفاست اور وضع داری کے احساس کو کھو چکے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں عملاً چست اور ڈھیلے لباس میں کوئی فرق نہیں رہتا دونوں صورتوں میں صرف آرام اور مسرت ہی اُن کے لیے راہ نما ہوتا ہے۔ زندگی میں "بے حد تکلف" درست نہیں لیکن کچھ نہ کچھ "تکلف" درکار کھاتی بھی بہرحال ضروری ہے۔ اور یہی صورت "لباسیات" کی ہے۔ ہمارے لباس کے انداز اور وضع قطع اچھے اور متوازن انسانوں کی طرح "زیبائش"، "وقار" اور "حیا" کے تقاضوں پر پورا اترنے چاہئیں۔ یہ صرف عورتوں ہی کے لیے نہیں مردوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ صرف ٹیڈیوں ہی کے لیے نہیں بلکہ معاشرے کے تمام طبقوں کے لیے ضروری ہے۔